

دین حق سے برگشتہ ہونے والوں کو کبھی غلبہ نہ ہونے کی خبر دی گئی ہے؟ یہ خوش نصیب قوم کون ہے؟ جسکو "وَأَن تَحْمُرُوا
الْأَعْلُونَ" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے؟ یہ اللہ کے عباد صالحون کون ہیں؟ جنہیں وزارت ارض کا شرف و مجد
بارگاہ رب السموات والارض سے عطا ہوا ہے؟ ہم اور آپ یعنی وہی مسلمان جو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب
پر ایمان رکھتے ہیں۔ یا کوئی اور؟ کیا قرآن مجید کے مومنین اور عباد صالحین کا مصداق ہم مسلمانوں کے سوا کوئی اور
دوسری قوم بھی ہو سکتی ہے؟ اگر نہیں ہو سکتی اور یقیناً نہیں ہو سکتی تو پھر کیا معاذا اللہ قرآن کا کوئی وعدہ اور اس کا
کوئی اعلان جھوٹ اور غلط ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! تو اب سوچنے اور غور کرنے کی بات یہ ہے کہ آخر اس کی کیا
وجہ ہے کہ ہم مومن بھی ہیں اور پھر ہمارے لئے عزت اور امن نہیں ہم مسلمان ہیں اور پھر ہمارے واسطے زمین کی سعتیں
تنگ ہو گئی ہیں۔ عزت اور وقار تو درکنار خود اپنے گھر میں بھی ہم کو اتنی آزادی حاصل نہیں ہے کہ جو چاہیں کریں اور
جو چاہیں کہیں۔ کہنے کو آزاد ہیں مگر ہماری ہر حرکت پر غیروں نے سنگینوں اور توپوں کے پہرے بٹھا رکھے ہیں۔
دیکھنے میں ہاتھ اور پاؤں حرکت کرتے ہیں لیکن دراصل وہ ایسی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں کہ ہماری عمل کی
طاقتیں خود بخود مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔

بے شبہ قرآن کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اس کے وعدہ کی سچائی کے نقش تائید کے اوراق پر اس طرح
ثبت ہیں کہ کوئی بڑے سے بڑا معاند بھی ان کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ پھر یقیناً ہمارے ایمان اور عمل صالح میں کوئی نقص ہے
جس کے باعث قرآن کا وعدہ ہمارے حق میں درست نہیں ہوتا؟ وہ نقص بجز اس کے۔ اور کوئی نہیں ہے کہ ہم مسلمان ہیں!
مگر اسلام کی حقیقی روح سے بے خبر ہیں۔ اپنی تین مومن اور حنت کے حقدار سمجھتے ہیں لیکن ایمان کے اصل منشا سے غافل ہیں!
اسلام کا واحد مقصد تھا اللہ کی زمین پر عدل و انصاف قائم کرنا۔ اور قوانین الہی کو دنیا کے تمام قوانین پر غالب بنانا!۔
ظاہر ہے جب اس مقصد کی لگن اور تڑپ ہی ہمارے دلوں میں نہیں ہے تو ہم کس طرح کوئی عملی جدوجہد کر کے حقیقی سرفرازی
و سربلندی حاصل کر سکتے ہیں۔ جو فوج اپنے تمام ہتھیاروں کو پھینک کر میدان جنگ میں چپ چاپ کھڑی ہو گئی ہو
اگر وہ فتح و کامرانی سے محروم کر دی گئی ہے تو قصور کس کا ہے؟ خود فوج کا یا کسی اور کا!۔۔۔

ہوتے ہیں اور نسلان "عربی لغت میں پھیلنے کو کہتے ہیں اسلئے ہینسلون کے معنی یہ ہوئے کہ وہ اس سرعت کے ساتھ امنڈ آئیں گے کہ یہ معلوم ہوگا گویا وہ کسی ٹیلے سے پھسل رہے ہیں۔ چنانچہ مفروقات امام راعب اور نہایہ ابن اثیر میں "حدب" اور نسل و نسلان کی بحث میں بھی لغوی تفصیل مذکور ہے۔

لہذا اس تفسیر سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن عزیز نے یا جوج و ماجوج کے خروج موعود کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے وہ ان ہی قبائل پر منطبق ہوتی ہے جو بحرِ کاسپین سے لیکر منچوریا تک پھیلے ہوئے ہیں اور جو دنیا کی بہت بڑی آبادی کے محور میں اور چاروں قوع کے اعتبار سے عام سطح آبادی سے اس قدر بلند حصہ زمین پر مقیم ہیں کہ جب کبھی نکل کر تمدن اقوام پر حملہ آور ہوتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا اوہرے نیچے کو پھسل رہے ہیں پس آئندہ بھی جب شرائط ساعت کی شکل میں ان کا آخری خروج ہوگا تو ان کے تمام قبائل کا سیلاب ایک دفعہ ہی امنڈ آئیگا اور ایسا معلوم ہوگا کہ انسانوں کے سمندر کا بند ٹوٹ گیا ہے اور وہ اپنے مقامات کی ہر بلندی سے نیچے کی جانب بہ پڑا ہے۔

قرآن عزیز کی آیات زیر بحث کی یہ تفسیر الفاظ اور جملوں کو ان کے لغوی معنی سے ادا کرنا اور ہر مثلے اور ان میں تاویل کے بغیر اس قدر لطیف ہے کہ جس سے بہت سے وہ شکوک و شبہات یک قلم دفع ہو جاتے ہیں جو اس سلسلہ میں مفسرین کو پیش آئے ہیں اور ان کو حل کرنے کیلئے غیر جاذب تاویلات کرنی پڑی ہیں نیز مدعیان نبوت کو ان تاویلات سے فائدہ اٹھا کر الحاد و زندقہ پھیلانے کا موقعہ میسر آ گیا ہے۔

سورہ کہف اور سورہ انبیاء کی آیات کی اس تفسیر کے بعد اب حدیث بخاری کا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے کہ اس کی کیا مراد ہے؟ حدیث "ویل للعرب من شر قد اقترب" اہل بات پر تو صاف دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رو یا میں "جو نبی کیلئے وحی کی طرح صحیح اور محبت ہوتا ہے" یہ دکھایا گیا کہ

اس عبارت کا مفہوم بھی وہی ہے جو حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے منقول ہو چکا ہے اور بغیر کسی تاویل کے آیت ”وَمَا اسْتَطَاعُوا آلَاہَ“ کا صاف طور پر یہی مطلب متعین ہو جاتا ہے کہ یہ ذوالقرنین کے زمانہ کی کیفیت خود ان ہی کی زبانی بیان ہو رہی ہے۔ یہ مطلب کسی طرح بھی نہیں ہے کہ ذوالقرنین کی سڈیا جوج و ماجوج کے خروج موعود سے پہلے ٹوٹ ہی نہیں سکتی۔

اور یہ مطلب ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ یا جوج و ماجوج صرف اس ایک درہ سے ہی نکل کر غارتگری نہیں کرتے تھے بلکہ کاکیشیا کے اس کونہ سے چین کے علاقہ منچوریا تک ان کے خروج کے بہت سے مقامات تھے پس اگر ان کیلئے سڈ ذوالقرنین نے درہ داریا ل کی راہ ہمیشہ کے لئے مسدود کر دی تھی تو دوسرے مقامات سے ان کا خروج کیوں نہیں ہو سکتا تھا؟۔

اسی لئے حضرت شاہ صاحب نے آیت ”وَتَرٰکُنَا بَعْضُهُمْ یَوْمَئِذٍ مِّمَّوْجٍ فِیْ بَعْضٍ“ کی تفسیر یہ کی ہے کہ ذوالقرنین کے اس واقعہ میں چونکہ یا جوج و ماجوج پر اس جانب سے روک قائم ہو جائیگا تذکرہ ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے مقولہ کے بعد اپنی جانب سے اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے مخاطبین تم جن یا جوج و ماجوج قبائل کے متعلق یہ باتیں سن رہے ہو یہ بھی سن لو کہ ہم نے ان قبائل کے لئے یہ مقدر کر دیا ہے کہ وہ آپس میں لکھتے رہیں گے۔ اور موج در موج باہم دست بگریباں ہوتے رہیں گے حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جبکہ قیامت بپا ہونے میں ”نفخ صور“ کے علاوہ اور کوئی مرحلہ باقی نہ رہے۔ اور سورہ انبیاء میں یہ ارشاد فرمایا کہ ”نفخ صور“ سے پہلے قیامت کی اشراط و علامات میں سے ایک شرط یا علامت یہ پیش آئیگی کہ یا جوج و ماجوج کے تمام قبائل اپنے نکلنے کے ہر مقام سے ایک ساتھ اُمنڈ آئیں گے اور دنیا کی عام غارتگری کیلئے اپنی مقامی بلندیوں سے تیزی کے ساتھ اترتے ہوئے کائنات کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائیں گے۔ ”من کل حدب ینسلون“ ”الحرب“ لغت میں اوپر سے نیچے جھکنے کو کہتے ہیں اسلئے ”حدب“ کے معنی اونچے مقام سے نیچے اترنے کے

رویا صادقہ کے بعد قتل عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر متواتر فتن اور شرور کا سلسلہ جاری ہو گیا جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب (قریشی حکومت) تمام اقوام کیلئے ایسے ہو گئے جیسا کہ کھانے کے پیالہ پر کھانے والے جمع ہو جاتے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں اس تشبیہ کا ذکر بھی موجود ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وہ زمانہ قریب ہے کہ تم پر تو میں اس طرح ایک دوسرے کو دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے بڑے پیالہ پر کھانے والے ایک دوسرے کو دعوت دیتے ہیں۔

قرطبی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مخاطب عرب ہی ہیں۔ اور رخنہ سہ کے متعلق ان کا یہی خیال ہے کہ ارشاد مبارک کا حاصل یہ ہے کہ سہ و آلقرنین کے استحقاقات کے خاتمہ کا وقت آپہنچا اور اب اس میں شکست و ریخت شروع ہو گئی۔ ۱۰

ان دونوں محدثین کی تفصیلات یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ”ویل للعرب الخ“ والا جملہ شرور و فتن سے متعلق ہے اور ”فتح من رحم“ کے جملہ میں ایک دوسری بات بیان کی گئی ہے جو یا جوج و ماجوج کی سد سے تعلق رکھتی ہے۔ اور یہ دونوں جملے اس طرح آپس میں مربوط نہیں ہیں کہ دونوں کو ایک ہی حادثہ سے متعلق سمجھا جائے۔ البتہ فتنہ کے اعتبار سے دونوں ایک ہی سلسلہ میں مربوط ہیں۔

حافظ عماد الدین بن کثیر اس بارہ میں کوئی فیصلہ کن رائے نہیں رکھتے اور متردد ہیں کہ زیر بحث حدیث ”فتح من رحم یا جوج و ماجوج“ میں ”فتح“ سے حقیقی فتح (کھل جانا) مراد ہے یا استعارہ ہے کسی آئندہ ایسے حادثہ سے جو یا جوج و ماجوج کے ہاتھوں پیش آنے والا ہے اور جس کا اثر براہ راست عرب (حکومت قریش) پر پڑے گا لیکن کربانی شارح بخاری بعض علما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اس پوری حدیث کو ایک ہی معاملہ سے متعلق سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس میں یا جوج و ماجوج کے ایسے حادثہ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا ظہور

سداً جوج و ماجوج میں رخنہ پڑ جانے سے ایسا سخت حادثہ پیش آئیگا کہ جو عرب کیلئے ہولناک ثابت ہوگا۔ لیکن یہ بات پوری طرح وضاحت کے ساتھ سامنے نہ آ سکی کہ فتح منہم یا جوج و ماجوج میں لفظ "فتح" سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ واقعی یا جوج و ماجوج کی سد میں سے انگوٹھ اور انگلی کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار میں شکاف ہو گیا ہے یا پیشینگوئیوں کی طرح اس پیشینگوئی میں بھی "فتح" اور "خلق تسعین" کو استعارہ کی شکل میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ اس جملہ کا پہلے جملہ "ویل للعرب" سے کوئی ربط ہے یا یہ الگ الگ دو مستقل باتیں ہیں؟

ان دونوں مسئلوں کے متعلق اہل تحقیق کی رائے مختلف ہے اور چونکہ اس رویہ صادقہ کی تعبیر خود ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے بسند صحیح منقول نہیں ہے اسلئے محدثین اور باب سیر نے یہ کوشش فرمائی ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق کو تقریبی طور پر تعین فرمائیں شیخ بدر الدین عینی فرماتے ہیں کہ "ویل للعرب" کے جملہ میں ان شرور و فتن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جو آپ کی وفات کے بعد ہی امت میں رونما ہونے شروع ہو گئے اور جن کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں سب سے پہلے عرب (قریشی حکومت) کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا اور جن کی ہلاکتوں کا پہلا شکار اہل عرب ہی ہوئے اور بعد میں ان کا اثر تمام امت مرحومہ پر پڑا۔

اور رد دم (سد) میں انگلی اور انگوٹھ کے بنائے ہوئے حلقہ کی مقدار رخنہ پیدا ہو جانے کا ذکر تقریبی ہے یعنی یہ مقصد نہیں ہے کہ واقعی اتنا چھوٹا سا رخنہ پڑ گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سداً ذوالقرنین کے استحکامات کی مدت ختم ہو گئی اور اب اس میں رخنہ پڑنے کی ابتداء ہو چلی ہے گویا اب وہ آہستہ آہستہ شکست و رنجیت ہو جائیگی۔ لہ

حافظ ابن حجر عسقلانی بھی قریب قریب یہی فرماتے ہیں لکھتے ہیں کہ یہ اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو

اس کے بیٹے اوقتا فی خاں نے ایک بے پناہ طاقت کے ساتھ اٹھکر مغرب و جنوب پر حملہ کر دیا اور ۶۸۶ء میں آخر ہلاکو خاں کے ہاتھوں بغداد کی عرب خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اس نے "خلافت عربیہ کو تہ و بالا کر دیا۔

تو گویا یوں سمجھئے کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس خود علامات قیامت میں سے سب سے بڑی علامت ہے یعنی آپ خاتم النبیین ہیں اور پھر بھی قیامت کے وقت میں اور ذات اقدس میں کافی غیر معین فاصلہ ہے اسی طرح یہ فتنہ تاتاری بھی علامت قیامت خروج یاجوج و ماجوج کا ایک ابتدائی نشان ہے اور جس طرح خروج دجال و قتل دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی قریبی علامات ہیں۔ اسی طرح سورہ انبیاء میں ذکر کردہ خروج یاجوج و ماجوج بھی علامات قیامت میں سے قریبی اور آخری علامت یا آخری شرط ہے۔ پس فتح روم میں ان کی ابتدائی حرکت کی جانب اشارہ ہے جو رویائے صادقہ کے وقت شروع ہو چکی تھی اور "ویل للعرب" سے اس نتیجہ کا اظہار ہے جو عرب حکومت کے خاتمہ پر منتج ہوا ہے۔

لیکن شیخ بدر الدین عینی نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں کرمانی کے بیان کردہ اس قول کی تردید کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تاتاری فتنہ کا بانی چنگیز خاں اور اس کا بیٹا ہلاکو خاں تھا اور ان کو یاجوج و ماجوج میں سے سمجھنا صحیح نہیں ہے لہذا اس حدیث کا مصداق اس فتنہ کو قرار دینا بھی غلط ہے بہر حال حدیث "ویل للعرب" کی ان مختلف توجہات سے جبکہ یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اس روایت کے مصداق کا تعین خود حدیث سے نہیں ہوتا بلکہ محدثین نے قرآن اور الفاظ حدیث کی نشست کو پیش نظر رکھ کر اپنی جانب سے مصداق متعین کرنے کی سعی فرمائی ہے اور پھر اس میں بھی اختلاف رائے رہا ہے تو اب اُن ہی کے بتائے ہوئے اصول کو سامنے رکھ کر ہم بھی کچھ کہنے اور حدیث زیر بحث کے

قیامت کی علامت سے جدا درمیانی وقفہ میں پیش آنے والا ہے اور جو باعث ہوگا عرب کے زوال کا، اور فتح روم“ استعارہ ہے اس بات سے کہ جو حادثہ آئندہ رونما ہونے والا ہے اس کی ابتدا ہوگئی ہے۔ اور یہ وہ حادثہ تھا جو مستعصم باللہ خلیفہ عباسی کے زمانہ میں ”فتنہ تاتار“ کے نام سے برپا ہوا اور جس نے عرب طاقت کا خاتمہ کر کے رکھ دیا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ یا جوج و باجوج قبائل کی اس تاخت و تاراج کے بعد جس کا ذکر ذوالقرنین کے واقعہ کے ضمن میں آیا ہے تاریخ میں ان قبائل کا پھر کوئی یادگار حملہ مذکور نہیں ہے۔

ابنہ ساتویں صدی عیسوی میں ان کے لئے ذوالقرنین کی یہ روک بیکار ہوگئی اور انھوں نے بحر خزر اور بحر اسود کے اس درمیان کے علاوہ جو ان پر بند کر دیا گیا تھا بحرہ یورال اور بحر خزر کا درمیانی راستہ پالیا تھا نیز اوہر سد ذوالقرنین کے استحکامات میں بھی فرق آنا شروع ہو گیا تھا۔ اور اس طرح ذوالقرنین کے بعد اب یا جوج و باجوج کے ایک نئے فتنہ کا آغاز ہو چلا تھا اور صدیوں سے ان خاموش قبائل فتنہ جو میں پھر حرکت شروع ہوگئی تھی۔

ابنہ انبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ یار صادقہ میں یہ دکھا دیا گیا کہ اگرچہ ابھی وہ وقت دور ہے جبکہ قیامت کے قریب تمام قبائل یا جوج و باجوج عالم انسانیت پر چھا جائیں گے لیکن وہ وقت قریب ہے، جبکہ ذوالقرنین کے بعد ان کا ایک اہم خروج پھر ہوگا اور وہ عرب کی طاقت اور فرمانروائی کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور اسی خروج کو اس طرح حتی طور پر دکھایا گیا کہ جیسا کسی دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہو جائے اور آہستہ آہستہ وہ دیوار گر کر منہدم ہو جائے۔

چنانچہ زمانہ نبوی میں یہ وہ وقت تھا کہ ان قبائل میں سے چند منگولین قبائل نے اپنی مرکز سے نکل کر قریب و جوار میں پھیلنا اور چھوٹے چھوٹے حملے کرنا شروع کر دیا تھا اور آخر کار چھٹی صدی ہجری میں چنگیز خاں ان کا قائد بن گیا اور اس نے منتشر قبائل کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کر دیا اور پھر

بعد دنیا کے درہم و برہم ہو جائیے قیامت آجائیگی۔

یہاں کی دوسرا جگہ پہلے جگہ کی صرف تائید ہی نہیں ہے بلکہ اس کی تفسیر ہے اور پہلا جملہ درحقیقت نتیجہ اور ثمرہ ہے دوسرے جملہ کا اور مطلب یہ ہے کہ عرب (قریشی حکومت) کی ہلاکت کا وقت قریب آہٹا اسلئے کہ یاجوج و ماجوج کا وہ بند جو ذوالقرنین نے بہت مستحکم باندھا تھا اس میں اب رخہ پڑ گیا اور اس کی شکست و ریخت شروع ہو گئی اور یہ تمہید ہے اس فتنہ کی جو اسی جانب سے اٹھے گا اور قریشی حکومت کا خاتمہ کر دیگا۔

پس اس تعبیر کے لحاظ سے تاریخی فتنہ کی وہ تاریخ سامنے لائی جائیگی جو گذشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح حدیث کی بیان کردہ پیشینگوئی کے مطابق اس فتنہ کی ابتداء دور رسالت سے شروع ہو گئی تھی اور پھر کس طرح وہ خلیفہ عباسی مستعصم باللہ کے دور حکومت میں قریشی حکومت کے استیصال کا باعث ہوئی۔

پس اگر ان دونوں جملوں کے درمیان جو ربط اور تعلق ہے اس میں اس قدر وسعت تسلیم کر لی جائے کہ وہ محدثین کی بتائی ہوئی توجیہ یعنی اہم شرور و فتن کا شیعہ اور کرمانی کے بیان کردہ ایک قول کے مطابق توجیہ یعنی فتنہ نامہ کا وجود ان دونوں توجیہات کو حاوی ہونے کے تو ایسا تسلیم کر لینے میں نہ شرعی قباحت لازم آتی ہے اور نہ تاریخی اور زیر بحث حدیث کا مصداق بہت زیادہ فہم کے قریب آ جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

متنصہ کو متعین کرنے کا حق رکھتے ہیں اگرچہ دوسرے اقوال کی طرح وہ بھی غیر منصوص اور قابل رد و قبول گناہ
حدیث زیر بحث میں مستقبل میں پیش آنے والے جس فتنہ اور شر کی خبر دی گئی ہے اُس کے دو
جملے بہت اہم ہیں۔ ایک "ویل للعرب من شئ قد اقترب" عرب کیلئے ہلاکت ہے اس شر سے جو بلاشبہ
قریب آ لگا ہے۔ اور دوسرا "فتحم اليوم من ردم یا جوج و ما جوج و حلق تسعین" آج کے دن یا جوج
و ما جوج کی سد سے انگوٹھے اور انگلی کے گول دائرہ کی مقدار میں کھول دیا گیا ہے۔ اور ان ہر دو جملوں
کے درمیان واو عطف بھی نہیں ہے۔

لہذا الفاظ حدیث پر کافی غور و خوض کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں مسطورہ بالا ہر دو
اقوال کی گنجائش ہے۔ یعنی حدیث کا پہلا جملہ اس امر کی اطلاع دیتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک
ایسے اہم شر کی اطلاع دے رہے ہیں جس کا پہلا اثر یہ ہوگا کہ عرب کیلئے سخت ہلاکت کا سامنا ہوگا۔ اور
"خلافت قریش" زوال پذیر ہو جائے گی۔

اور دوسرا جملہ یا پہلے جملہ کی تائید میں بطور علامت پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس امت
میں جو اہم فتنے بپا ہونے والے ہیں اور جن کا ابتدائی اثر عرب کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ ان فتنوں
کے رونما ہونے کیلئے حتیٰ علامت اس طرح سامنے آگئی ہے کہ یا جوج و ما جوج پر بنائی ہوئی مستحکم سد
ذوالقرنین میں رخنہ پڑنا شروع ہو گیا اور اس کی شکست و رخت ہونے لگی۔ گویا یہ رخنہ آئندہ اسلامی طاقت
یا عرب طاقت میں جلد رخنہ پڑ جانے کیلئے ایک علامت ہے۔

چنانچہ یہ فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے شروع ہو کر مختلف فتنوں کے بعد
چند صدیوں میں قریشی حکومت کی ہلاکت و تباہی پر جا کر ٹھہرا۔ اور اس طرح حدیث کی پیشین گوئی پوری ہوئی
پس اس شکل میں "فتح روم" آئندہ فتنوں اور شروں کے پیش آنے کی ایک علامت ہے جو
امت اسلامیہ میں بپا ہو کر قرب قیامت میں موعود خروج یا جوج و ما جوج پر جا کر ختم ہو جائیں گے اور اسکے